

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة البقرة

(۵۸)

(گزشتہ سے پیوستہ)

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ، وَتَثْبِيتًا مِّنْ
أَنْفُسِهِمْ ، كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ ، أَصْلَابُهَا وَأَبْلٌ ، فَأَتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ، فَإِن لَّمْ
يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ، وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۶۵﴾

اللہ کی خوشنودی چاہنے کے لیے اور اپنے آپ کو (حق پر) قائم رکھنے کی غرض سے اپنا مال خرچ کرنے والوں
کی مثال اُس باغ کی ہے جو بلند اور ہموار زمین پر واقع ہو۔ اُس پر زور کی بارش ہو جائے تو دونا پھل لائے اور
زور کی بارش نہ ہو تو پھوار بھی کافی ہو جائے۔ (یہ مثال سامنے رکھو) اور (مطمئن رہو کہ) جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ
اُسے دیکھ رہا ہے۔ ۲۶۵

[۷۰۵] اصل میں تَثْبِيتًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن میں مِّنْ 'گویا تَثْبِيتًا' کے مفعول پر داخل ہے۔
یعنی اللہ کی خوشنودی کے ساتھ وہ اس لیے بھی خرچ کرتے ہیں کہ اس سے انھیں نفس کی خواہشات پر قابو پانے اور اُسے حق پر
جمائے رکھنے کی تربیت حاصل ہو۔

[۷۰۶] اصل میں لفظ رِبْوَةٍ استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی بلند اور مرتفع زمین کے ہیں۔ یہ لفظ یہاں جس مقصد سے آیا
ہے، استاذ امام نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”...بلند اور ہموار زمین کے لیے آ ب و ہوا کی خوش گواری ایک مسلم شے ہے۔ اگر ایسی زمین پر باغ ہو تو اُس کی بلندی ایک

أَيُّودُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ، تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ، لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ، وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ، وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ،
فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ، فَاحْتَرَقَتْ. كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٦٦﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا، أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ، وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ
مِّنَ الْأَرْضِ، وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ، مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ

کیا تم میں کوئی یہ پسند کرے گا کہ اُس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں
بہتی ہوں۔ اُس میں اُس کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں اور وہ بوڑھا ہو جائے اور اُس کے بچے ابھی ناتواں
ہوں اور باغ پر سموم کا بگولا پھر جائے اور وہ جل کر خاک ہو جائے۔ (احسان جتا کر اور دوسروں کی دل
آزاری کر کے اپنا انفاق برباد کر لینے والوں کی حالت قیامت میں یہی ہوگی)۔ اللہ اسی طرح اپنی آیتیں
تمہارے لیے واضح کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔ ۲۶۶
ایمان والو، اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو اور اُس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے

طرف تو اُس کی خوش منظری کا باعث ہوتی ہے، دوسری طرف اُس کو سیلاب وغیرہ سے محفوظ کرتی ہے۔ نیز ہموار زمین پر
ہونے کے سبب سے اُس کے لیے اُس طرح پھسل کر فنا ہو جانے کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا جو ڈھلوان زمینوں کے باغوں اور
فصلوں کے لیے ہوتا ہے۔ پھر آب و ہوا کی خوبی اُس کی بار آوری کی ضامن ہوتی ہے۔ اگر موسم سازگار ہاتھ پوچھنا ہی کیا
ہے، اگر سازگار نہ ہوا، جب بھی وہ پھل دے جاتا ہے۔“ (تذکرہ قرآن ۱/۶۱۷)

[۷۰۷] یہ عربوں کے تصور کے مطابق ایک اچھے باغ کی تصویر ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”اُن کے ہاں اچھے باغ کا تصور یہ ہے کہ اُس کے کنارے کنارے کھجوروں کے درخت ہوں، بیچ میں انگور کی بلیں ہوں،
مناسب مواقع سے مختلف فصلوں کی کاشت کے لیے قطعات ہوں، باغ بلندی پر ہو، اُس کے نیچے نہر بہ رہی ہو جس کی نالیاں
باغ کے اندر دوڑا دی گئی ہوں۔“ (تذکرہ قرآن ۱/۶۱۸)

[۷۰۸] یعنی اپنے اُس مال میں سے خرچ کرو جو اچھا ہو، بے وقعت اور گھٹیا نہ ہو اور تم نے اُسے کسی غلط اور مشتبہ طریقے

تُعْمَضُوا فِيهِ، وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٤﴾

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ، وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ، وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا، وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ، وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا، وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

نکالائے، اور کوئی بری چیز تو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا خیال بھی نہ کرو۔ تم اس طرح کی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہو، لیکن خود آنکھیں موند نہ لو تو اُسے لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور جان رکھو کہ (تمہاری اس خیرات سے) اللہ بے نیاز ہے، وہ ستودہ صفات ہے۔ ۲۶۷

شیطان تمہیں تنگ دستی سے ڈراتا اور (خرچ کے لیے) بے حیائی کی راہ سجھاتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے تمہارے ساتھ مغفرت اور عنایت کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت اور بڑا علم رکھنے والا ہے۔ وہ (اپنے قانون کے مطابق) جس کو چاہتا ہے، (اس وعدے کا) فہم عطا کر دیتا ہے، اور جسے یہ فہم دیا گیا، اُسے تو درحقیقت خیر کثیر کا ایک خزانہ دے دیا گیا۔ لیکن (اس طرح کی باتوں سے) یاد دہانی صرف دانش مند ہی حاصل کرتے ہیں۔ ۲۶۸-۲۶۹

سے نہیں، بلکہ جائز طریقے سے کمایا ہو۔ [۷۰۹] اس سے واضح ہے کہ پہلے اُس کمائی کا ذکر ہے جو تجارت وغیرہ کے طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔ زراعت اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک الگ قسم ہے۔ چنانچہ اُس کے لیے زکوٰۃ کی شرح بھی اسی بنا پر الگ رکھی گئی ہے۔

[۷۱۰] اصل میں 'امر' کا لفظ آیا ہے۔ یہ جس طرح حکم دینے کے معنی میں آتا ہے، اسی طرح ترغیب دینے اور سجھانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان ایک تو مستقبل کے موہوم خطرات سے ڈرا کر تمہیں اللہ کی راہ میں انفاق سے روکتا ہے اور دوسرے نفس کی راہ میں فضول خرچی اور عیاشی کی ترغیب دیتا ہے تاکہ کسی بڑے مقصد کے لیے خرچ کرنے کی گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے۔

[۷۱۱] چنانچہ وہ دنیا اور اُس کی نقد لذتوں کو چھوڑ کر خدا کے فضل اور اُس کی بخشش کی امید میں اور ایک نادیدہ عالم کی کامیابیوں کے لیے اپنی کمائی لٹانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ، فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ، وَمَا لِلظَّالِمِينَ
مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٢٤٠﴾

إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ، وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ، فَهُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ، وَيُكَفِّرُ عَنْكُم مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ، وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٤١﴾
لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ، وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ، وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

(اس بات کو سمجھ لو) اور (مطمئن رہو کہ) جو خرچ بھی تم کرو گے یا جو نذر بھی تم مانو گے، (اُس کا صلہ لازماً
پاؤ گے)، اس لیے کہ اللہ اُسے جانتا ہے اور (اللہ کی اس ہدایت سے منہ موڑ کر) اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے
والوں کا (اللہ کے ہاں) کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ۲۴۰

تم اپنی خیرات علانیہ دو تو یہ بھی کیا اچھی بات ہے اور اُسے چھپاؤ اور غریبوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق
میں زیادہ بہتر ہے۔ (اس سے) اللہ تمہارے گناہ مٹا دے گا اور (اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ) جو کچھ تم
کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ۲۴۱

(بنی اسرائیل نہیں مانتے تو اے پیغمبر)، ان کو ہدایت پر لے آنا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ اللہ ہی

[۴۱۲] نذر منت کو کہتے ہیں یعنی اللہ سے عہد کیا جائے کہ میری فلاں مراد پوری ہوگئی تو میں فلاں اور فلاں عبادت یا
ریاضت کروں گا یا اتنا صدقہ دوں گا۔ یہ اگرچہ کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے، لیکن اس طرح کا عہد کر لیا جائے تو صاف واضح ہے
کہ اُسے ہر حال میں پورا ہونا چاہیے۔

[۴۱۳] اس لیے کہ اس سے دوسروں کو انفاق کی ترغیب ہوتی ہے۔

[۴۱۴] اس لیے کہ اس سے حاجت مندوں کی عزت نفس بھی مجروح نہیں ہوتی اور خود دینے والا بھی ریا اور نمائش کے
فتنے سے محفوظ رہتا ہے۔

[۴۱۵] مطلب یہ ہے کہ چھپا کر دو گے تو یہ اللہ سے چھپا نہیں رہے گا۔ علانیہ اور پوشیدہ، سب تمہارے لحاظ سے ہے۔
اللہ سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں رہتی۔ تم جو کچھ بھی کرو گے اور جہاں بھی کرو گے، وہ اُس سے باخبر ہے۔

فَلَا تُفْسِدُوا أَنْفُسَكُمْ، وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ، وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤَفَّفَ
إِلَيْكُمْ، وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٤٢﴾

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ،
يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ، تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ
الْحَافًا، وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ، فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢٤٣﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ

جس کو چاہتا ہے، (اپنے قانون کے مطابق) ہدایت دیتا ہے۔ (اس لیے اس سے قطع نظر کر کے تم، مسلمان یہ
سمجھ لو کہ) جو مال بھی تم خرچ کرو گے، اُس کا نفع تمہیں ہی ملنا ہے، اور تم اسی لیے تو خرچ کر رہے ہو کہ اللہ کی
رضا حاصل ہو، اور (اس مقصد سے) جو مال بھی تم خرچ کرو گے، وہ (قیامت میں) تمہیں پورا کر دیا جائے گا
اور تمہارے حق میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔ ۲۴۲

یہ (بالخصوص) اُن غریبوں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں، اپنے کاروبار کے لیے
زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، اُن کی خودداری کے باعث ناواقف اُن کو غنی خیال کرتا ہے، اُن کے
چہروں سے تم اُنہیں پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔ (اُن کی مدد کرو) اور (سمجھ لو کہ اس

[۷۱۶] یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ پیغمبر کی حیثیت سے آپ کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اپنے
مخاطبین کو اتمام حجت کے درجے میں اللہ کی ہدایت سے آگاہ کر دیں۔ اس کے بعد یہ اُن کا کام ہے کہ اُسے قبول کریں یا رد کر
دیں۔ آپ کو اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اگر اُسے قبول نہیں کرتے تو اس کا خمیازہ بھی خود ہی بھگتیں
گے۔

[۷۱۷] اصل میں لِّلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ کے الفاظ آئے ہیں۔ ان میں لِّلْفُقَرَاءِ سے پہلے
مبتداً بر بنائے قرینہ حذف ہو گیا ہے۔

[۷۱۸] یہ اُن مہاجرین کی طرف اشارہ ہے جو مدینہ آنے کے بعد کئی برس کے لیے اس طرح گھر گئے تھے کہ تجارت کے
لیے باہر نکلنا بھی اُن کے لیے ممکن نہ تھا، اور انصار کے ساتھ مواخات کا معاملہ بھی ایک حد سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر ایک
چھوٹے سے گاؤں میں معاش کے دوسرے ذرائع تلاش کر لینا بھی آسان نہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنا پر اُنہیں مسجد

أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، سِرًّا وَعَلَانِيَةً، فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ،
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٤٣﴾
الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا، لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ

مقصد کے لیے) جو مال بھی تم خرچ کرو گے، (اُس کا صلہ تمہیں لازماً ملے گا)، اس لیے کہ اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔ جو لوگ شب و روز، علانیہ اور چھپا کر اپنا مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اُن کا اجر اُن کے کے پروردگار کے پاس ہے اور (وہاں) کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ کوئی غم کبھی کھائیں گے۔ ۲۴۳-۲۴۴
(اس کے برخلاف) جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ قیامت میں اٹھیں گے تو بالکل اُس شخص کی طرح اٹھیں

میں ٹھیرا لیا تھا۔ تاریخ میں یہ لوگ اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہیں۔

[۷۱۹] اس سے مقصود اُن کے مانگنے کی نفی ہے۔ 'لپٹ کر' کے الفاظ مانگنے والوں کی عام حالت کو ظاہر کرنے کے لیے آئے ہیں۔ کسی چیز کے گھونے پن کو واضح کرنے کے لیے یہ اسلوب قرآن میں جگہ جگہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ مانگتے تو ہیں، مگر لپٹ کر نہیں مانگتے

[۷۲۰] اصل میں لفظ 'ربوا' استعمال ہوا ہے۔ اردو زبان میں اس کے لیے سود کا لفظ مستعمل ہے اور اس سے مراد وہ معین اضافہ ہے جو ایک قرض دینے والا مقروض سے اپنی اصل رقم پر محض اس لیے وصول کرتا ہے کہ اُس نے ایک خاص مدت کے لیے اُس کو یہ رقم استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ یہ قرض کسی غریب اور نادار کو دیا گیا ہو یا کسی کاروباری اور رفاہی اسکیم کے لیے، اس چیز کو ربا کی حقیقت کے تعین میں کوئی دخل نہیں ہے۔ عربی زبان میں ربا کا اطلاق قرض دینے والے کے مقصد اور مقروض کی نوعیت و حیثیت سے قطع نظر محض اُس معین اضافے ہی پر ہوتا ہے جو کسی قرض کی رقم پر لیا جائے۔ چنانچہ یہ بات سورہ روم (۳۰) کی آیت ۳۹ میں خود قرآن نے واضح کر دی ہے کہ اُس کے زمانہ نزول میں سودی قرض زیادہ تر کاروباری لوگوں کے مال میں جا کر بڑھنے کے لیے دیے جاتے تھے۔ اس کے لیے آیت میں 'لیربوا فی اموال الناس' (اس لیے کہ وہ دوسروں کے مال میں پروان چڑھے) کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ تعبیر، ظاہر ہے کہ غریبوں کو دیے جانے والے سودی قرضوں کے لیے کسی طرح موزوں نہیں ہے، بلکہ صاف بتاتی ہے کہ اُس زمانے میں سودی قرض بالعموم تجارتی مقاصد کے لیے دیا جاتا تھا اور اس طرح قرآن کی اس تعبیر کے مطابق گویا دوسروں کے مال میں پروان چڑھتا تھا۔

مِنَ الْمَسِّ، ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا، وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا. فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانْتَهَى، فَلَهُ مَا سَلَفَ، وَأَمْرُهُ إِلَى

گے جسے شیطان نے اپنی چھوت سے پاگل بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا ہے کہ بیع بھی تو آخر سود ہی کی طرح ہے اور تعجب ہے کہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام ٹھیرا ہے۔ (اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے اُسے حرام ٹھیرا ہے)، لہذا جسے اُس کے پروردگار کی تنبیہ پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ وہ لے چکا، سولے چکا،

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ سود کا تعلق صرف انھی چیزوں سے ہے جن کا استعمال اُن کی اپنی حیثیت میں انھیں فنا کر دیتا اور اس طرح مقروض کو انھیں دوبارہ پیدا کر کے اُن کے مالک کو لوٹانے کی مشقت میں مبتلا کرتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس پر اگر کسی اضافے کا مطالبہ کیا جائے تو یہ عقل و نقل، دونوں کی رو سے ظلم ہے۔ لیکن اس کے برخلاف وہ چیزیں جن کے وجود کو قائم رکھ کر اُن سے استفادہ کیا جاتا ہے اور استعمال کے بعد وہ جس حالت میں بھی ہوں، اپنی اصل حیثیت ہی میں اُن کے مالک کو لوٹا دی جاتی ہیں، اُن کے استعمال کا معاوضہ کرایہ ہے اور اُس پر، ظاہر ہے کہ کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

[۷۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین کی چھوت بھی اُن اسباب میں سے ہے جن سے آدمی بعض اوقات پاگل ہو جاتا ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے:

”... نیک بندوں پر تو ارواح خبیثہ کا اثر اس سے زیادہ نہیں ہوتا کہ اُن کو کوئی اذیت یا آزمائش پیش آ جائے، لیکن جن کی روحیں خود خبیث ہوتی ہیں، جس طرح اُن کا قلب شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے، اسی طرح کبھی کبھی اُن کے عقل و دماغ، سب پر شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے اور وہ ظاہر میں بھی بالکل پاگل ہو کر کپڑے پھاڑتے، گریبان چاک کرتے، منہ پر جھاگ لاتے اور پریشان حال، پراگندہ بال، جدھر سنگ سمائے، اُدھر آوارہ گردی اور خاک بازی کرتے پھرتے ہیں۔“

(تدبر قرآن ۶۳۱/۱)

[۷۲] یہ قرآن نے سود خواروں کے قیامت میں پاگلوں کی طرح اٹھنے کی وجہ بتائی ہے کہ وہ اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ اللہ نے بیع و شر کو حلال اور سود کو حرام ٹھیرا دیا ہے، دراصل حالیکہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جب ایک تاجر اپنے سرمایے پر نفع لے سکتا ہے تو ایک سرمایہ دار اگر اپنے سرمایے پر نفع کا مطالبہ کرے تو وہ آخر مجرم کس طرح قرار پاتا ہے؟ قرآن کے نزدیک یہ ایسی پاگل پن کی بات ہے کہ اس کے کہنے والوں کو جزا اور عمل میں مشابہت کے قانون کے تحت قیامت میں پاگلوں اور دیوانوں کی طرح اٹھنا چاہیے۔

اللّٰهُ ، وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ، هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٤٥﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ

(اُس کے خلاف کوئی اقدام نہ ہوگا) اور اُس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو (اس تنبیہ کے بعد بھی) اس کا

استاذ امام سودخواروں کے اس اظہار تعجب پر تبصرہ کرتے ہوئے ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اس اعتراض سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آ گئی کہ سود کو بیع پر قیاس کرنے والے پاگلوں کی نسل دنیا میں نئی نہیں ہے، بلکہ بڑی پرانی ہے۔ قرآن نے اس قیاس کو... لائق توجہ نہیں قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بد اہتاً باطل اور قیاس کرنے والے کی دماغی خرابی کی دلیل ہے۔ ایک تاجر اپنا سرمایہ ایک ایسے مال کی تجارت پر لگاتا ہے جس کی لوگوں کو طلب ہوتی ہے۔ وہ محنت، زحمت اور خطرات مول لے کر اُس مال کو ان لوگوں کے لیے قابل حصول بناتا ہے جو اپنی ذاتی کوشش سے اول تو آسانی سے اُس کو حاصل نہیں کر سکتے تھے اور اگر حاصل کر سکتے تھے تو اُس سے کہیں زیادہ قیمت پر، جس قیمت پر تاجر نے اُن کے لیے مہیا کر دیا۔ پھر تاجر اپنے سرمایہ اور مال کو کھلے بازار میں مقابلے کے لیے پیش کرتا ہے اور اُس کے لیے منافع کی شرح بازار کا اتار چڑھاؤ مقرر کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس اتار چڑھاؤ کے ہاتھوں بالکل دیوالیہ ہو کر رہ جائے اور ہو سکتا ہے کہ کچھ نفع حاصل کر لے۔ اسی طرح اس معاملے میں بھی اُس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں کہ وہ ایک بار ایک روپے کی چیز ایک روپے دو آنے یا چار آنے میں بیچ کر پھر اُس روپے سے ایک دھیلے کا بھی کوئی نفع اُس وقت تک نہیں کما سکتا، جب تک اُس کا وہ روپیہ تمام خطرات اور سارے اتار چڑھاؤ سے گزر کر پھر میدان میں نہ اترے اور معاشرے کی خدمت کر کے اپنے لیے استحقاق نہ پیدا کرے۔

بھلا بتائیے کیا نسبت ہے ایک تاجر کے اس جاں باز، غیور اور خدمت گزار سرمایے سے ایک سود خوار کے اُس سنگ دل، بزدل، بے غیرت اور دشمن انسانیت سرمایے کو جو جو کھم تو ایک بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں، لیکن منافع بٹانے کے لیے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔“ (تدبر قرآن ۱/۶۳۲)

[۷۲۳] اصل میں فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ، کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان میں مَوْعِظَةٌ کے لیے فعل مذکر آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تانیث غیر حقیقی ہے اور غیر حقیقی تانیث کے لیے فعل بعض اوقات لفظ کے مفہوم کے لحاظ سے آ جاتے ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ اس بات کو سہل نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ تمہارے پروردگار کی تنبیہ ہے۔ اسے نظر انداز کر دینے کا نتیجہ تمہارے لیے نہایت خطرناک ہو سکتا ہے۔

[۷۲۴] یعنی دنیا میں کوئی اقدام نہیں کیا جائے گا، لیکن آخرت کے حوالے سے معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اس کی وجہ یہ

الرَّبَّوْا، وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ، وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٤٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ، لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ، وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٤٧﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا، اتَّقُوا اللَّهَ، وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا، إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا، فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنْ تُبْتُمْ

اعادہ کریں گے تو وہ دوزخ کے لوگ ہیں، وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (اُس دن) اللہ سود کو مٹا دے گا اور خیرات کو بڑھائے گا اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ کسی ناشکرے اور کسی حق تلفی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں، جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور نماز کا اہتمام کیا اور زکوٰۃ ادا کی، اُن کے لیے اُن کا اجر اُن کے پروردگار کے پاس ہے اور اُن کے لیے نہ (وہاں) کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ وہ کوئی غم کبھی کھائیں گے۔ ۲۴۵-۲۴۷

ایمان والو، اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرو اور جتنا سود باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو۔ لیکن اگر تم

ہے کہ آخرت کی پکڑ سے بچنے کے لیے اتنی بات کافی نہیں ہے کہ آدمی نے سود لینا چھوڑ دیا۔ وہاں تو اللہ تعالیٰ یہ بھی دیکھیں گے کہ اس موقع پر دل کی حالت کیا رہی اور پچھلے مظالم کی تلافی کے لیے کیا کچھ کیا گیا۔

[۲۴۵] اس سزا کی وجہ یہ ہے کہ اُن کا یہ رویہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو ماننے کے لیے تیار

نہیں ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ صریح کفر ہے اور اس کی سزا وہی ہونی چاہیے جو کافروں کے لیے مقرر ہے۔

[۲۴۶] یعنی سود خواروں کے لیے قیامت میں صرف حسرت و ندامت ہوگی۔ وہ دیکھیں گے کہ دنیا میں اُن کے لاکھوں

وہاں ایک کوڑی بھی نہیں رہے۔

[۲۴۷] ترمذی کی ایک روایت (قم ۶۶۲) کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی

ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقے کو قبول کرتا اور اُسے اپنے داہنے ہاتھ سے لیتا ہے۔ پھر وہ تمہارے لیے اس طرح اُس کی پرورش کرتا

ہے، جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ تمہارا دیا ہوا ایک لقمہ اللہ کے ہاں احد پہاڑ بن

جاتا ہے۔

فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ، لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ، وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ، إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوا

نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لیے خبردار ہو جاؤ، اور اگر توبہ کر لو تو اصل رقم کا تمہیں حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو گے، نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اور مقروض تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اُسے مہلت دو اور اگر تم بخش دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم سمجھتے ہو۔ اور اُس دن سے ڈرو،

[۲۷۸] اِس کی نوعیت بالکل الٹی میٹم کی ہے، یعنی جو لوگ اب بھی اِس حکم کو نہیں مانیں گے، اُن کے خلاف بغاوت کے جرم میں فوجی کارروائی کی جائے گی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ سود خواری پر اصرار ایسا جرم ہے کہ اِس کا ارتکاب کرنے والوں کو محاربین قرار دے کر اُن کے خلاف کارروائی کی جاسکتی ہے۔

[۲۷۹] یہ آیت اِس بات کی مزید دلیل ہے کہ قرآن کے زمانہ نزول میں قرض زیادہ تر تجارتی اور کاروباری مقاصد ہی کے لیے دیا جاتا تھا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اِس کی تفسیر میں لکھا ہے:

”اِس زمانے میں بعض کم سودیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عرب میں زمانہ نزول قرآن سے پہلے جو سود رائج تھا، یہ صرف مہاجنی سود تھا۔ غریب اور نادار لوگ اپنی ناگزیر ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے مہاجنوں سے قرض لینے پر مجبور ہوتے تھے اور یہ مہاجن اُن مظلوموں سے بھاری بھاری سود وصول کرتے تھے۔ اِسی سود کو قرآن نے ربا قرار دیا ہے اور اِسی کو یہاں حرام ٹھہرایا ہے۔ رہے یہ تجارتی کاروباری قرضے جن کا اِس زمانے میں رواج ہے تو اِن کا اُس زمانے میں نہ دستور تھا، نہ اِن کی حرمت و کراہت سے قرآن نے کوئی بحث کی ہے۔

اِن لوگوں کا نہایت واضح جواب خود اِس آیت کے اندر ہی موجود ہے۔ جب قرآن یہ حکم دیتا ہے کہ اگر قرض دار تنگ دست (ذو عسرة) ہو تو اُس کو کشادگی (میسرة) حاصل ہونے تک مہلت دو تو اِس آیت نے گویا پکار کر یہ خبر دے دی کہ اُس زمانے میں قرض لینے والے امیر اور مال دار لوگ بھی ہوتے تھے۔ بلکہ یہاں اگر اسلوب بیان کا صحیح صحیح حق ادا کیجیے تو یہ بات نکلتی ہے کہ قرض کے لین دین کی معاملت زیادہ تر مال داروں ہی میں ہوتی تھی، البتہ امکان اِس کا بھی تھا کہ کوئی قرض دار تنگ حالی میں مبتلا ہو کہ اُس کے لیے مہاجن کی اصل رقم کی واپسی بھی ناممکن ہو رہی ہو تو اُس کے متعلق یہ ہدایت ہوئی کہ مہاجن اُس کو اُس کی مالی حالت سنبھلنے تک مہلت دے اور اگر اصل بھی معاف کر دے تو یہ بہتر ہے۔ اِس معنی کا اشارہ آیت کے الفاظ سے نکلتا ہے، اِس لیے کہ فرمایا ہے کہ: اِن کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة (اگر قرض دار تنگ حال ہو تو

يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ، ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ، وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾

جب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اُس کی کمائی وہاں پوری مل جائے گی اور لوگوں پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ ۲۸۱-۲۷۸

اُس کو کشادگی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے۔ عربی زبان میں 'ان' کا استعمال عام اور عادی حالات کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ بالعموم نادر اور شاذ حالات کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔ عام حالات کے بیان کے لیے عربی میں 'اذا' ہے۔ اس روشنی میں غور کیجیے تو آیت کے الفاظ سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ اُس زمانے میں عام طور پر قرض دار ذومیسرۃ (خوش حال) ہوتے تھے، لیکن گاہ گاہ ایسی صورت بھی پیدا ہو جاتی تھی کہ قرض دار غریب ہو یا قرض لینے کے بعد غریب ہو گیا ہو تو اُس کے ساتھ اس رعایت کی ہدایت فرمائی۔“ (تدبر قرآن ۱/۶۳۸)

اس کے بعد انھوں نے اپنی اس بحث کا نتیجہ اس طرح بیان کیا ہے: ”ظاہر ہے کہ مال دار لوگ اپنی ناگزیر ضروریات زندگی کے لیے مہاجنوں کی طرف رجوع نہیں کرتے رہے ہوں گے، بلکہ وہ اپنے تجارتی مقاصد ہی کے لیے قرض لیتے رہے ہوں گے۔ پھر اُن کے قرض اور اس زمانے کے ان قرضوں میں جو تجارتی اور کاروباری مقاصد سے لیے جاتے ہیں، کیا فرق ہوا؟“ (تدبر قرآن ۱/۶۳۹)

[باقی]

